ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

نقوی احمد پوری: حسیاتی تلازمات کا تمثال گر[1]

☆ڈاکٹر حمیرا اکرم
☆☆ڈاکٹر محمد عبید اللہ
☆☆☆سعدیہ نیاز

ABSTRACT

Sensuousness in poetry bears a long tradition which include classic poets of Urdu as well as English poets. It's a poetry that gratifies senses. generally, a poetry that has strong appeal for senses rather than intellect. It contains images, impressions and personifications that aims at five senses. poetry that affect our senses and through the senses gives pleasure to our mind or body. Tradition of sensous poetry is existed in English as well as in Urdu literary history. Renowned English sensuous poets like, John Donne from 17th century, William Blake and John Keats from 18yh and 19th century romantic poets and Christina Rossetti from 19the century are some renowned sensuous poets form English literature. Similarly, Urdu poetry also bears lots of such poets that have sensuous elements in their creations like Mir Taqi Meer, Nazir Akbar Abadi, Ghulam Hamdani Mushafi, Ghalib, Momin and Dagh Delhvi. Poetic creations of Syed Amir Sohail specially his Ghazal is permeated with examples of sensuous poetic verses. These are verses which affects our senses and pleases our minds and body. Prof. Syed Amir Sohail is one of renouned poet of our era whose poetry contain lots of examples which appeal our all the five senses and entertain our literary taste. He creates images in his Ghazals in such a way that all the five senses of reader are engaged besides mind and soul. Here is an appraisal of sensory poetry of Naqvi Ahmed Puri.

کلیدی الفاظ: صوتی پیکر (Sound Image)، حسیاتی مدرکات (Modalities of sensations)، بصری پیکر تراشی (visual imagism)، حسیاتی پیکر تراشی (Sensory imagism)

موجوداتِ کائنات میں ہر سو ارتقاء کی کارفرمائی ہے جس کے تحت وہ ہر لحظہ نئی شان، نئی آن کے عمل سے گزر رہے ہیں۔ کائنات کی ہر شئے خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، باہمی عمل آرائی اور اندرونی تعمیر و تخریب کے زیرِ اثر اپنی بہتر سے بہترین شکل اختیار کرتی چلی جا رہی ہیں۔ یہی وہ عمل ہے جو انواع کو اپنے ماحول سے مطابقت پیدا کرتے ہوئے انھیں بقائے حیات کی ضمانت دیتا ہے۔ قانونِ حیات کے مطابق جمود کا شکار انواع معدومیت کا شکار ہو جاتی ہے۔ تبدیلی، اثر پزیری اور باہمی تعامل کا عمل مادی اشیا ہی تک محدود نہیں بلکہ یہ عمل فنونِ لطیفہ پر بھی صادق آتا ہے۔ ارتقاءِ حیات کے پسِ منظر میں اشیائے حیات سے لے کر اظہار و بیان کی خام شکل سے انسان نے جس طرح مادی اشیا کو اپنے جمالیاتی ذوق

[1]۔ ☆اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ دبئ محل کالج بہاول پور
☆☆اسسٹنٹ پروفیسر، دی اسلامیہ یونی ورسٹی بہاول نگر کیمپس
☆☆پی۔ ایچ ڈی سکالر، دی اسلامیہ یونی ورسٹی آف بہاول پور

کے ساتھ احتیاج وضرورت کے تحت بنایا، نکھارا، سنوارا اور مختلف تجربات کر کے ایک ایک شئے کی کئی کئی اقسام بناڈالیں بالکل یہی تجربہ ہمیں زبان اور اُس کے بعد ادب میں بیان و اظہار کے ضمن میں کیا۔ ضروریات کے بیان سے لے کر احساسات اور خواہشات کے بیان تک، انسان کی جدت طبع کی بدولت زبان و ادب ارتقاء پزیر ہوتے چلے گئے۔ صنائع بدائع کے استعمال نے شاعری کو متاثر کن بہجت بخش شئے بنادیا ہے۔

بیسویں میں متعارف ہونے والے سائنسی، عمرانی، معاشی اور نفسیاتی رجحانات نے اصنافِ ادب پر گہرا اثر ڈالا۔ ادب میں جدیدیت کی تحریک نے فنِ مصوری کے جن رجحانات سے اثر قبول کیا اُن میں تمثال کاری (Imagism)، تاثیریت (Impressionism) اور اظہاریت (Expressionism) بہت اہم ہیں۔ شعرا نے اپنے خیالات اور جذبات کو حسی پیکروں کی صورت میں پیش کیا۔ انھوں نے اپنے جذبات واحساسات کو خارجی پیکروں کی صورت میں متشکل کر کے پیش کیا جن کی مدد سے یہ جذبات واحساسات، زیادہ شدت سے قاری کے ذہن پر متشکل ہونے لگے۔ ڈاکٹر رشید امجد پیکروں Images کو تاثر، ابلاغ اور اظہار کا امین قرار دیتے ہیں جو حسی شدت میں مہمیز واضافے کا کام سرانجام دیتے ہیں۔

دنیا بھر کے ادب کا تجزیہ یہ ثابت کرتا ہے کہ شاعری ہمیشہ نثر پر حاوی رہی ہے۔ یہی کیفیت اردو کی ادبی تاریخ کی بھی ہے۔ اگرچہ ناقدین نے داستان، ناول، افسانہ، ڈرامہ اور دیگر غیر افسانوی اصنافِ ادب مثلاً سوانح نگاری، خاکہ نگاری، رپورتاژ نگاری اور انشائیہ نگاری وغیر پر بھی گراں قدر نقد و نظر کا سرمایہ خلق کیا ہے لیکن جو اہمیت شروع دن سے شاعری کو حاصل رہی وہ نثر کو کبھی بھی حاصل نہ ہو سکی۔ شاعری کے بھی تقریباً ہر پہلو پر مباحثے، مناظرے ہوتے رہے لیکن چند شعرا (غالب، اقبال، فیض) کو چھوڑ کر، امیجری یا پیکر تراشی کے حوالے سے بہت کم لکھا گیا اور بوجوہ اُسے نظر انداز کیا گیا۔ بقول ڈاکٹر داؤد کاشمیری اردو تنقید نگاروں کی نگاہ سے اردو شاعری کی یہ جہت ہمیشہ اوجھل ہی رہی[1]۔ اِس ضمن میں انگریزی تنقید میں بھی سی۔ڈی لیوس اور سکیلٹن کے علاوہ کوئی سنجیدہ تنقیدی کوشش نظر نہیں آتی۔ انگریزی ادب میں پیکر تراشی کا چلن رومانوی اور وکٹورین تحاریک غیر محتاط سوچ اور رومانوی خوش فہمیوں کے ردِ عمل میں شروع ہوا۔ انگریزی شاعری میں پیکر تراشی کا رجحان اگرچہ Thomas Ernest Hulme (1883-1917) سے شروع ہوا لیکن امیجزم کو بڑھاوا دینے اور تحریک کی شکل دینے میں ایزرا پونڈ Ezra Pound اور اُس کے ساتھی شعرا Hilda ہلڈا، Doolittle ڈولٹل (H.D.)، Richard Aldington , ایف ایس فلنٹ F.S. Flint کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

پیکر یا تمثال کے لفظی معنی تصویر، عکس یا شبیہہ کے ہیں۔ تخلیقی زبان ہو یا تخلیقی ذہن اُس میں تصویر کاری /imagism کی قوت ہے اور یہی قوت فن پارے میں پیکر تراشی کی صنعت گری کا کام کرتی ہے۔ یعنی مؤثر ابلاغ کے لیے انسانی انسانی ذہن پیکر تراشی یا تصویر کاری کا سہارا لیتا ہے اِس لیے پیکر تراشی انسانی ذہن کے بنیادی تفاعلات میں شامل ہے۔ ہر لفظ کے ساتھ اُس سے متعلق کوئی نہ کوئی مقرون پیکر وابستہ ہوتا ہے۔ لفظ اور اُس سے وابستہ پیکر میں رشتہ عموماً ثقافتی، تہذیبی یا تاریخی نوعیت کا ہو سکتا ہے۔ شاعر لفظوں کے ذریعے جو لفظی پیکر تراشتا ہے، یا محاکاتی منظر کشی کرتا ہے وہ تمثال کاری کی ضمن میں آتی ہے۔ جس طرح ہر لفظ کے ساتھ ایک مقرون پیکر جڑا ہے اِس کے ساتھ ساتھ لفظ کا ایک صوتی آہنگ اور تصوراتی پیکر بھی ہوتا ہے جو پڑھنے والے کے تخیل یا پس منظری مطالعے سے جڑا ہوتا ہے۔ ہر لفظ، ہر ترکیب اور تشبیہہ و استعارہ میں پیکر تخلیق کر سکنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ یہ قاری کا پس منظری مطالعہ یا اُس کے حسی مشاہدات ہیں جو اُس کے ذہن کی کسی مخصوص پیکر کی تخلیق کی جانب رہنمائی کرتے ہیں۔ اگر قاری کا حسیاتی تجربہ ہی محدود ہے تو پھر اُسے اچھی سے اچھی اور عمدہ ترین محاکاتی شاعری بھی پیکریت سے خالی نظر آئے گی۔ پیکر تراشی بھی اگرچہ استعارہ سازی سے قریب تر عمل ہے لیکن پیکر تراشی کا عمل ثانی الذکر سے زیادہ قوی، بلیغ اور دوررس نتائج کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر شہپر رسول نے پیکر تراشی کو استعارہ سازی سے اگلی منزل قرار دیا ہے۔ ہر انسان حواسِ خمسہ کے ذریعے خارجی کائنات کے بارے میں معلومات اِن کی شبیہیں اور عکوس اپنے ذہن میں محفوظ کرتا چلا جاتا ہے جسے تجربے کا نام دیا جاتا ہے۔ جب ہمارے سامنے اِن سمعی، بصری، لمسی، شامی یا مذوقی تجربات کے حوالے سے لفظی اظہار ہوتا ہے تو ذہن کے پردے پر پہلے سے دیکھا ہوا، سنا ہوا، محسوس کیا ہوا، سونگھا یا چکھا ہوا پیکر متشکل ہو جاتا ہے۔ فنی طور پر کسی ذہنی پیکر کو لفظی پیکر میں ڈھالنا پیکر تراشی ہے۔ اِس کے لیے محاکات نگاری کا لفظ بھی مستعمل ہے۔ سر فلپ سڈنی اِسے شاعری کی روح یا معراج بتاتا ہے۔۔

شاعری بھی ایک طرح کی مصوری ہے جس طرح ایک مصور کسی شئے، خیال، منظر یا حالت کو مختلف لکیروں اور رنگوں سے صفحۂ قرطاس پر متشکل کرتا ہے

اُسی طرح شاعر انھیں چیزوں کو لفظوں کی مدد سے انسانی ذہن پر متشکل کرتا ہے۔

چاہے میں کیسا تراشوں پیکرِ الفاظ کو
وہ اپنے ڈھب کی پوشاکیں انھیں پہنائے گا[2]

تقریباً ہر شاعر نے ہی محاکات نگاری اور تمثال کاری سے کام لیا ہے۔ اردو شاعری بالخصوص اردو غزل میں پیکر تراشی کی روایت خود اردو شاعری جتنی ہی قدیم ہے۔ قدیم مثنویات میں منظر نگاری اور فطرت نگاری کے مرقعے حسیاتی پیکر تراشی کے شاندار نمونے قرار دیے جاسکتے ہیں۔ اردو شاعری بالخصوص غزل نے فارسی شعری روایت کے زیرِ سایہ پرورش پائی ہے اِس لیے فارسی صنائع بدائع، فارسی تلمیحات، تصورِ عاشق ومعشوق اور رقیب وغیرہ فارسی غزل ہی کا تتبع قرار دیے جاسکتے ہیں۔ اردو غزل اپنی پیدائش سے لے کر آج تک مختلف ادوار سے گزری ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اِس میں فارسیت کا رنگ پھیکا پڑتا چلا گیا اور مقامی تماثیل، مقامی اساطیر، مناظر، پیکر اور حسی تجربات اردو غزل کا حصہ بنتے چلے گئے۔ تمثال کاری کے ڈانڈے کہیں نہ کہیں علامت نگاری سے بھی ملے ہوتے۔ غزل وہ صنفِ سخن ہے جس کا تمام تر حسن ہی اُس کی رمزیت وایمائیت میں مضمر ہے لہٰذا احساتی شاعری کے ذریعے تمثال کاری کو بھی اردو غزل کا اہم جزو قرار دیا جانا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شاعر نے کم وبیش اِس صنف سے کام لیا ہے۔ ڈاکٹر تنویر احمد علوی لکھتے ہیں:

"شعر یا پھر ادبی صداقت اُس وقت تک اپنی معنویت سے محروم رہتی ہے جب تک کہ وہ متحرک شعری پیکروں اور نئے حسی تجربوں کو جنم نہ دے اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب شعری تجربے کی بنیاد تخلیقی حسیت پر قائم ہو۔ یہی حسیت قاری یا سامع کو اُس تجربے میں داخلی شراکت اور اُس کی بازیافت پر آمادہ کرتی ہے"[3]

ڈبلیو۔بی۔ییٹس نے کہا تھا: Wisdom speaks first in images یعنی عقل نے پہلے پہل تصاویر میں گفتگو کرتی ہے۔ ییٹس کی یہ بات اردو شعری روایت کے ضمن میں بھی من وعن درست ہے۔ کینوس پر چند آڑی ترچھی لکیروں کا حاصل ایک پیکر یا قرطاس پر لفظوں کے ذریعے ذہن میں متشکل ہونے والا ایک پیکر دس ہزار الفاظ پر بھاری ہے۔ اردو غزل کی مقبولیت کی بڑی وجہ اِس کی رمزیت وایمائیت کے ساتھ ساتھ یہی صوتی، بصری حسیاتی پیکر تراشی ہے جس نے شاعری کو نہ صرف بلیغ بنا دیا بلکہ قاری کے لیے اپنی اپنی افتادِ طبع کے مطابق معنی اخذ کرنے کے لیے ہزاروں لاکھوں امکانات کے ان گنت چراغ روشن کر دیے۔ تمثال کاری کے حوالے ایک غلطی عموماً کی جاتی ہے کہ تصورات کو بھی پیکر سمجھ لیا جاتا ہے۔ تمثال کاری کا عمل منظر نگاری سے بھی مختلف ہے اگرچہ اِن دونوں میں موجود بعض مماثلتوں کی بنا پر ایک ہی سمجھ لیا جاتا ہے۔ منظر نگاری یا منظر کشی ایک بیانیہ عمل ہے جبکہ تمثال کاری اور پیکر تراشی کا تعلق استعارات، علامات اور تجرید کاری سے ہے۔ پیکر تراشی میں مجرد چیزوں کو مقرون بنا کر پیش کیا جاتا ہے یوں قاری کے لیے محاکاتی امکانات میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ اِس لحاظ سے دیکھا جائے تو پیکر تراشی کا عمل منظر نگاری کے مقابلے میں اعلیٰ تخلیقی مرتبے کا حامل ہوتا ہے۔ ناقدین نے شعری پیکریت کی تین بڑی اقسام گنوائی ہیں۔ ذہنی پیکریت، مجازی پیکریت اور تجسیمی پیکریت[4]۔

انسان اپنی بیرونی دنیا سے حسیات کی ذریعے جڑا ہوا ہے اور یہی حسیات اُس کے مشاہدے کی اساس ہیں جن کے ذریعے وہ خارجی معلومات حاصل کرتا ہے۔ پھر حواسِ خمسہ سے حاصل شدہ معلومات کے تحلیل وتجزیے سے نتائج کا اخذ واستنباط ہوتا ہے۔ پیکر تراشی کی مدد سے شاعر ایسی فضا تشکیل کرتا ہے کہ سننے والا حسِ شامہ، لامسہ، باصرہ، وغیرہ کی مدد سے مناظر کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ ازرا پاونڈ جسے پیکر تراشی میں امام مانا جاتا ہے کے مطابق بھی پیکر تراشی حواسِ خمسہ میں سے کم از کم کسی ایک کو متاثر کرتی ہو۔ اِسی بنیاد پر حامدی کاشمیری کہتے ہیں:

"(ازرا پاؤنڈ)۔۔۔ مصورانہ پیش کش پر زور نہیں دیتا، وہ جذباتی پیچیدگی کی لحاتی صورت گری کو لازمی قرار دیتا ہے۔ یہ صورت گری ایسی ہو کہ حواسِ خمسہ میں ایک یا ایک سے زائد حواس کو متاثر کرتی ہو۔۔۔[5]"

تمثال کا تعلق کیونکہ حواس کے ساتھ ہے لہٰذا حواس خمسہ کی طرح تمثال کاری بھی پانچ اقسام کی ہو سکتی ہے۔ سمعی تمثال کاری (وہ لفظی پیکر جو حسِ سماعت کو متوجہ کرنے والے ہوں)، بصری تمثال کاری (رنگ سے متعلق، شکل سے متعلق، حرکت سے متعلق)، لمسی تمثال کاری (گرمی، سردی یا سختی و نرمی کا احساس دلانے والے)، مذوقی تمثال کاری (ذائقہ سے متعلق) اور شمومی تمثال کاری (جو حسِ شامہ کو متوجہ کرنے والے ہوں) نوعیت کی بھی ہو سکتی ہے۔ حسیاتی بنیاد پر تمثال کاری مفرد یا مرکب بھی ہو سکتی ہے۔ شعرا نے ایک ایک شعر میں کئی کئی حسی پیکر بھی تراشے ہیں جنھیں مرکب تمثال کاری کی ضمن میں رکھا جا سکتا ہے۔ اردو غزل میں حواسِ خمسہ سے ہٹ کر بھی جسم کے کئی افعال و اعمال کے تمثیلی پیکر بھی تراشے گئے ہیں۔ اِس کی عمدہ مثال عضویاتی تمثال کاری ہے۔ عضویاتی تمثال ایسی تمثال ہے جس میں کسی عضوِ جسمانی کے فعل کی جانب اشارہ ہو۔ یہ تمثال کاری حرکی تمثال کاری کی ذیل میں بھی آسکتی ہے۔ مثلاً دل کا دھڑکنا، سانس کا چلنا، خون کا گردش کرنا، جسم کا نشوونما پانا وغیرہ وغیرہ۔ سید مبارک شاہ کا ایک شعر دیکھیں جس میں ایک منٹ میں دل کے بہتّر مرتبہ دھڑکنے کی تصویر کشی کی گئی ہے ساتھ ہی واقعہ کربلا کو بھی محاکاتی طور پر زندہ کیا گیا ہے:

بہتّر بار خوں ہوتا ہے دل میں
ہر اِک ساعت کے اندر کربلا ہے

ڈاکٹر وزیر آغا نے اردو غزل کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے:

"۔۔۔ اردو غزل کی داستان کے چار ابواب ہیں پہلا باب دکنی غزل کے متعلق ہے دوسرا باب اٹھارہویں صدی کی ابتدا سے انیسویں صدی کے نصف اول تک کے دور پر محیط ہے بلکہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو اس کے آخر تک قرار دیا جائے تو زیادہ مناسب ہو گا۔ تیسرا باب ۱۸۵۷ء سے لے کر اقبال تک اور آخری باب اقبال کے بعد جدید دور سے متعلق ہے۔[6]"

لیکن پیکر تراشی کی روایت کسی خاص عہد سے مخصوص نہیں؛ جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے کہ پیکر تراشی کی اصطلاح کے وضع ہونے سے پہلے بھی پیکر تراشی شاعری میں موجود تھی لیکن تب اُس نے ایک تحریک کی شکل نہیں کی تھی جیسا کہ بیسویں صدی میں آکر ہوا۔ حسیات کے ذریعے پیکر تراشی اور محاکات نگاری کے حوالے سے مولانا شبلی نعمانی کی رائے بھی بہت اہم ہے۔ اُن کے مطابق:

"محاکات کے معانی کسی چیز یا حالت کا اس طرح ادا کرنا ہے کہ اس شے کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔[7]"

سید محمد باقر نقوی المعروف نقوی احمد پوری (پیدائش 7 مئی 1928ء وفات 21 اپریل 1996ء) نے بھی پیکر تراشی کی اِس شعری روایت کو نئے آہنگ اور منفرد ڈھنگ سے آگے بڑھانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ نقوی احمد پوری ایک قادرالکلام شاعر تھے جو مبداءِ فیض سے غزل کے لیے بطورِ خاص طبع موزوں لے کر پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے اردو شاعری کے دو مجموعے "بولتا سورج"، "رقصِ بسمل" کے علاوہ دو سرائیکی شعری مجموعے بعنوان "قطب تارہ" اور "دیوانِ نقوی" یادگار چھوڑے ہیں۔ اُن کی تنقیدی صلاحیتوں کا ثبوت "سورج کا سفر" نامی مجموعۂ مضامین بھی ہے۔ علاوہ ازیں نقوی احمد پوری ایک طویل نظمِ مسلسل بعنوان "جامع الفقر" بھی لکھ رہے تھے لیکن عمر نے وفا

نہ کی اور وہ نامکمل رہی اِس لیے زیورِ طبع سے بھی آراستہ نہ ہو پائی۔ نقوی احمد پوری ایک نغز گو، بدیع گو اور بسیار نویس شاعر تھے۔ وہ روزنامہ "بہاول پور ٹائمز" کے مستقل قطعہ نگار تھے۔ علاوہ ازیں نقوی احمد پوری "روزنامہ سیادت" بہاول پور، کے ہفت روزہ ادبی صفحہ کے مستقل کالم نگار بھی تھے۔ نقوی احمد پوری کی درج بالا جہات اِس حقیقت پر دال ہیں کہ وہ چھوٹے شہر کے ایک بڑے شاعر، ژرف نگاہ ناقد، بے لاگ مبصر اور روحِ عصر کا شعور رکھنے والے پُر مغز دانش ور تھے۔ نقوی احمد پوری ایک کثیر جہتی شخصیت ہیں جن کی ہر ہر جہت الگ سے تحقیقی مقالے کی متقاضی ہے۔ احمد ندیم قاسمی نے نقوی احمد پوری کو "غزل کا مزاج دان"[8] قرار دیا ہے۔

"۔۔۔ حیرت اور ساتھ ہی مسرت ہوتی ہے کہ ایک دور دراز کے مضافاتی گوشے میں بیٹھ کر انھوں نے مشق و مطالعہ سے اِس تخلیقی توانائی کو کیسے نکھارا اور سنوارا جو قدرت کی طرف سے انھیں ودیعت ہوئی تھی۔ بحیثیت مجموعی اُن کی غزل میں کلاسیکی رنگ نمایاں ہے مگر وہ عصرِ حاضر کے محسوسات سے غافل نہیں ہیں[9]"

نقوی احمد پوری اگرچہ ایک دور افتادہ گوشے کا ایک گمنام شاعر ہے لیکن جب کبھی بھی کسی استادِ فن نے اُن کا کلام سنا تو متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ قتیل شفائی نے نقوی احمد پوری کی شاعری کی ندرت اور انفرادیت کو بھانپ کر کہا تھا:

"نقوی احمد پوری نے عام ڈگر سے ہٹ کر عصرِ حاضر میں جدید راہیں تراشی ہیں اور یک رنگ تصور سے ہٹ کر نئے زاویے ایجاد کیے ہیں۔ اُن کی یہی انفرادیت اُن کی پہچان ہے۔۔۔ اُن کی شناخت ہے۔۔۔ اور اُن کا طرۂ امتیاز ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اُن کی یہ بھرپور جدید آواز قبولیتِ عام کی سند حاصل کرے گی[10]"

پروفیسر ڈاکٹر عاصم شجاع ثقلین نقویؔ احمد پوری کی شعری امیجری کو اُن کے ذاتی اور معاشرتی نقوش ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ نقوی احمد پوری کو کربِ ذات سے کربِ کائنات کے امتزاج کا شاعر گردانتے ہیں۔

"شہر کے ہونٹوں پہ چپ تھی اور اپنے شہر میں
میں زباں والوں کے گونگے پن کا غم کرتا رہا
میں تو تھا اہلِ قلم، وہ صاحبِ تیغ و سناں
میں نے سر جوڑے مگر وہ سر قلم کرتا رہا

شاعر کا درد دراصل اُس کے ماحول، اُس کی زمین اور خطہ کا درد ہوتا ہے۔ وہ کربِ کائنات اور کربِ ذات کو باہم جوڑ کر اُس امتزاج کے ساز پر دھمال ڈالتا ہے۔ نقویؔ کے ہاں بھی شہر، گلیاں، کوچے، زمین، گھر ماحول کے وہ استعارے ہیں جن کے پس منظر میں انھوں نے کربِ کائنات کو کربِ ذات بنا کر شعری پیکر میں ڈھالا ہے۔ بنجر زمین، وحشی بگولے، شور، سناٹے، اندھے غار، دشمن قبیلہ، سوکھے ہونٹ اور دشت وغیرہ کی علامت نقوی کے کلام میں بننے والے وہ امیجز ہیں جن کے جلو میں نقویؔ کے ماحول اور معاشرے کی کڑوی سچائیاں اپنا آپ عیاں کرتی ہیں[11] "

نقوی احمد پوری نے حسیات کے پیرائے میں حالیہ جمالیات، عصریت اور عصری طرزِ احساس کی باشعور پیشکش کے طفیل قاری کو اُس کے اپنے اردگرد بکھری کائنات (فطری و مصنوعی) کے مسائل، اِس کے عناصرِ تعمیر (داخلی و خارجی) کو سمجھنے اور غور کرنے کی دعوت دی ہے۔ انہوں نے ایسے موضوعات پر قلم اٹھایا جو اپنی ندرت

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

وسعت اور انفرادیت و دلکشی کے لحاظ سے منفرد ہیں۔ انھیں خصوصیات کی بنا پر نقوی احمد پوری کی شاعری ایک نئی نہج اور رویے کا پتہ دیتی ہے اور اس سے جدید حسیات کے تجربوں میں ایک نئی راہ کھل جاتی ہے۔ نقوی احمد پوری کی شاعری کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کی شاعری کا ایک خاص وصف یا جسے غالب رجحان کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا، وہ تمثال نگاری ہے۔

اچھوتی سی کوئی پوشاک پہناتا ہوں لفظوں کو
مطالب کے بیاں کو استعارے ڈھونڈ لیتا ہوں[12]

نقوی احمد پوری نے شاعری کے ذریعے انسانی حسیات کے نوع بہ نوع نقوش صفحۂ قرطاس پر اتارے ہیں۔ نقوی احمد پوری ایک طاقت ور قوتِ مشاہدہ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے جہاں اپنے حواسِ خمسہ کو کام میں لاتے ہوئے ہمارے معاشرے کے ہر طبقے بالخصوص محروم و مظلوم اور استحصال زدہ طبقے کی سچی اور کھری تصویر کشی کی ہے، وہیں اپنے زبردست وجدان سے کئی امکانی شبیہوں کی بھی حیران کن نقش گری کی ہے۔ نقوی احمد پوری کی شاعری کا جو وصف سب سے پہلے قاری کی توجہ کو اپنی جانب کھینچتا ہے وہ اُن کی تمثال نگاری ہی ہے۔ ذیل میں اُن کے مجموعے "بولتا سورج" کا تمثال کاری کے حوالے سے ایک محاکمہ پیش ہے۔

بصری تمثال کاری

اگر شعر کے الفاظ ہماری بصری حِس کو متحرک کر کے ہمارے ذہن پر کوئی منظر منعکس کرتے ہیں تو یہ بصری تمثال نگاری ہو گی بصری پیکر تین طرح کے ہو سکتے ہیں؛ وہ بصری پیکر جو رنگ سے متعلق ہوں، شکل سے متعلق ہوں یا حرکت سے متعلق ہوں۔ اردو شاعری میں سب سے زیادہ بصری پیکر ہی ملتے ہیں۔

اردو شاعری کے باوا آدم ولی دکنی جو جمال دوست شاعر کے نام سے بھی مشہور ہیں؛ اپنی شاعری میں بصری حسیت کے ذریعے قلب و ذہن میں محبوب کا سراپا متشکل کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ ولی دکنی کچھ اِس طرح محبوب کے خدوخال کی تصویر کشی کرتے ہیں کہ آنکھوں میں محبوب کی چلتی پھرتی تصویر اتر آتی ہے۔

تجھ لب کی صفت لعلِ بدخشاں سوں کہوں گا
جادو ہیں ترے نینِ غزالاں سوں کہوں گا

ترا مکھ مشرقی حسن انوری چہرہ جمالی ہے
نین جامی، جبیں فردوسی ، ابرو ہلالی ہیں

میر تقی میر نے بھی حسی پیکر تراشی سے خوب کام لیا اور اردو ادب کو حسیاتی تلازموں کا وسیع ذخیرہ فراہم کیا۔ مثلاً بصری حسیات سے متعلق یہ شعر دیکھیے:

رات محفل میں تری ہم بھی کھڑے تھے چپکے
جیسے تصویر لگا دے کوئی دیوار کے ساتھ

حواسِ خمسہ کو تحریک دینے والے اشعار اقبال کے ہاں بھی کثرت سے ملتے ہیں۔ حسِ بصارت کو تحریک دے کر ذہن میں ایک خیالی منظر تخلیق کر دینے والا یہ شعر یک مشتِ نمونہ از خروارے کی حیثیت رکھتا ہے۔:

پانی کو چھو رہی ہے یوں جھک کے گل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو!

اردو شاعری میں حسیاتی شاعری کی روایت ناصر کاظمی کی شاعری میں یوں متشکل ہوتی ہے۔ذیل کے اشعار میں سمعی وبصری پیکر تراشی کی مثالیں موجود ہیں۔

ہمارے گھر کی دیواروں پہ ناصرؔ
اداسی بال کھولے سو رہی ہے

مثلاً فرحت احساس کا یہ شعر بصری تمثال کاری کی عمدہ مثال ہے:

چاند بھی حیران ، دریا بھی پریشانی میں ہے
عکس کس کا ہے کہ اتنی روشنی پانی میں ہے

اور ناصر کاظمی کا یہ شعر:

ایک سمے تھا ترا پھول سا نازک ہاتھ تھا میرے شانے پر
ایک وقت کہ میں تنہا اور دکھ کے کانٹوں کا جنگل

نقوی احمد پوری نے کے اِن اشعار میں ہنستے ہوئے چہرے، پھول جسم بھوکے ہاتھ تھرکتے گھنگرو، سسکتے خاکے اور شب کا آنگن جیسے بصری پیکر، انھیں لفظوں کا ایک ایسا تجسیم گر ثابت کرتے ہیں جو مصورانہ فنکاری کا حامل ہے۔

ہنستے چہروں کے سسکتے ہوئے خاکے کھینچوں
پھول جسموں سے نچوڑی ہوئی خوشبو لکھوں
بھوکے ہاتھوں کے جھپٹنے کی بناؤں قوسیں
شب کے آنگن میں تھرکتے ہوئے گھنگھرو لکھوں[13]

نقوی احمد پوری کا کمال یہ ہے کہ اُن کے بعض اشعار پر بادی النظر میں بصری پیکر تراشی کا گمان ہوتا ہے لیکن اگر غور کریں تو اِن میں بصری پیکروں کے ساتھ ساتھ حرکی، سمعی اور شامی تمثال کاری بھی کار فرما نظر آتی ہے۔ اوپر کے دونوں اشعار میں اگرچہ بصری پیکروں کی مرصع کاری نظر آتی ہے لیکن بصری کے ساتھ ساتھ حرکی، شامی اور سمعی تماثیل بھی موجود ہیں۔

جب اُس کی یاد کی چھنتی ہے چاندنی نقویؔ
اجال دیتی ہے میری نگارشیں کیا کیا
آنکھ میں اشکوں کے بھیگے رنگ لہراتے نہیں
اب تو یہ آبی پرندے جھیل پر آتے نہیں[14]
کیا کبھی روک بھی سکتے ہیں سفر سورج کا

وہ اندھیرے جو اجالوں سے حسد رکھتے ہیں[15]

نقوی احمد پوری امید کا شاعر ہے، نامساعد حالات میں بھی مایوسی اُسے چھو کر نہیں گزرتی۔ نقوی کی شاعری میں کثرت سے سورج کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ وہ اپنی ذات کے لیے سورج کا استعارہ ہی پسند کرتے تھے۔ اگر غور کریں تو اُن کے ہاں سورج کا استعارہ بہت بلیغ اور معنی خیز ہے۔ سورج حرارت اور روشنی کا منبع ہے۔ زمین پر موجود زندگی کی چھل پہل سورج ہی کی مرہونِ منت ہے۔ نظم "آفتاب" میں اقبالؒ نے سورج کو "روحِ روانِ جہاں" اور "شیر ازہ بندِ کون و مکاں" لکھا ہے۔ نقوی احمد پوری کی شاعری میں سورج امید، خوشحالی، ترقی، امن اور روشنی کا پیکر بن کر سامنے آتا ہے۔ علاوہ ازیں ذیل کے اشعار میں کتابِ شب، قدو قامت، پہاڑ، سوکھی شاخ، غم کے پتے، گزارشیں، ستاروں کی ہاتھ ریکھائیں جیسے الفاظ بھی بصری حسی پیکروں کی صورت متشکل ہوتے ہیں۔

روشنی کے گل کھلیں گے صحنِ استقبال میں
بوتے جائیں ہم اگر سورج زمینِ حال میں
پڑھوں گا جلتے ستاروں کی ہاتھ ریکھائیں (بولتاسورج ص39)
نصاب ختم ہو دن کا، کتابِ شب تو کھلے
مرے خطوں کو پھینکا ہے پھاڑ کر اُس نے (بولتاسورج ص37)
بکھر گئی ہیں فضا میں گزارشیں کیا کیا
غم کے پتے سبز رہ جاتے ہیں سوکھی شاخ پر (بولتاسورج ص35)
یہ وہ مہماں ہیں کہ جو آتے ہیں تو جاتے نہیں
جو نہ قامت کوئی رکھتے ہیں نہ قد رکھتے ہیں
وہی ذرّات پہاڑوں سے حسد رکھتے ہیں (بولتاسورج ص39)

(بولتاسورج ص40)

بصری حرکی تمثال کاری:

چلی ہوائیں جو بیتے دِنوں کے پورب کی
برس گئیں مری آنکھوں میں بارشیں کیا کیا[16]
اوڑھ کر دھوپ، سفر دشت میں جاری رکھنا
ذہن میں منزلِ مقصود کے سائے رکھنا[17]
کہہ رہا تھا مجھ سے وہ غم کی کہانی جھیل پر
گر رہا تھا جھیل سی آنکھوں کا پر

پھڑپھڑا کر اڑ گئیں مرغابیوں کی ٹولیاں
حادثہ کوئی ہوا تھا ناگہانی جھیل پر[18]
ارتقاؤں کا ہر اِک گوشہ نظر میں ہو گا
تا ابد اپنا سفر رکھیں گی جاری سوچیں[19]
لہو کا آخری قطرہ بھی پی گیا سورج
چٹخ گئی ہیں کھلی چھاتیاں زمینوں کی[20]

زمین کی کھلی چھاتیوں کا چٹخنا، سوچوں کا سفر، جھیل سی آنکھوں کا پانی جھیل پر گرنا، مرغابیوں کو پھڑ پھڑا کر اُڑ جانا، دشت کا سفر جاری رکھنا وہ بصری حر کی پیکر ہیں جو نقوی احمد پوری کی شاعری کو تاثیریت اور محاکاتی گہرائی عطا کرتے ہیں

سمعی تمثال نگاری

الفاظ سے بنائی گئی وہ تصویر ہے جو ہماری سماعت کو متحرک کر کے ذہن پر نقش وعکوس بنائے یا الفاظ کے ذریعے سماعت کی حس کو متاثر کرتے ہوئے کوئی امیج یا کیفیت کو تخلیق کرنا سمعی تمثال کاری کہلاتا ہے۔ مثلاً بشیر بدر کا یہ شعر:

لہجہ کہ جیسے صبح کی خوشبو اذان میں
جی چاہتا ہے میں تیری آواز چوم لوں

اور ناصر کاظمی کے یہ اشعار:

دن کا سنہرا نغمہ سن کر
ابلق شب نے موڑی باگ
ساز ہستی کی صدا غور سے سن
کیوں ہے یہ شور بپا غور سے سن

نقوی احمد پوری نے سمعی تمثال کاری کے ضمن میں بھی نو بہ نو مضامین باندھے ہیں۔ سمعی تمثال کاری کے حوالے سے نقوی احمد پوری کا یہ شعر ہیر وشیما اور ناگاساکی پر ٹوٹنے والی قیامت کی ساری کہانی اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ کس طرح ایک ہولناک دھماکے کے بعد ہر سو موت کا سکوت چھا گیا۔

بڑا مہیب دھماکہ ہوا اور اُس کے بعد
فضا میں پھیل گئے بے پناہ سنّاٹے
فلک پہ بولتا سورج ہوا جو تخت نشیں
کہیں نہ آئے کہیں پھر سیاہ سنّاٹے[21]

گفتگو کے سحر میں ہم صبح تک جکڑے رہے
آ گیا تھا رات جادوگر کوئی چوپال میں[22]

جنھیں میں کب کا بدل چکا ہوں، یہ اُن ٹھکانوں سے بولتا ہے
نہ جانے کیوں حال کا یہ لمحہ، گئے زمانوں سے بولتا ہے
وہ مجھ سے روٹھے تو اپنے ہونٹوں پہ منجمد حرف کر لے
جب اُس کا دل بولنے کو چاہے، کئی بہانوں سے بولتا ہے
سنا ہے وہ بولتا نہیں ہے، مگر ہو جب بولنے پہ آئے
کبھی سمندر سے بولتا ہے، کبھی چٹانوں سے بولتا ہے[23]

یہ ساری غزل ہی سمعی و بصری پیکر تراشی کی بہترین مثال ہے کہ درج بالا شعر بیتِ غزل کہا جاسکتا ہے۔ اگر ذہن میں خدا کا جاہ و جلال اور اُس کی جباری و قہاری لائیں تو یہ شعر بہت معنی خیز ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر 2005ء میں آٹھ اکتوبر کو آنے والے زلزلے اور سونامی طوفان کو ذہن میں لائیں تو ایسے ایسے بصری حر کی پیکر نظر میں گھوم جاتے ہیں کہ انسان کی روح کانپ جاتی ہے۔ اِس غزل کو غزل سے زیادہ اگر حمد کہا جائے تو بے جانہ ہو گا۔ اِس غزل کے ہر شعر میں خدا کی کوئی نہ کوئی صفت یا قدرت کا اظہار ملتا ہے۔ اگر اِسے خدا سے منسوب کر کے دیکھیں تو جو پیکر ابھرتے ہیں وہ ہمارے خیال کے کینوس سے بھی بڑے ہیں۔

فراق کی زردیاں تو نقویؔ کبھی نہ چہرے سے چھپ سکیں گیں
کمان سے جب یہ تیر نکلے تو پھر نشانوں سے بولتا ہے[24]

نقوی احمد پوری کی شاعری میں بصری امیجز کے بعد جو لفظی پیکر کثرت سے ملتے ہیں وہ سمعی پیکر ہیں۔ درج ذیل اشعار میں انا کا پیکر، صداؤں کی بے کفن لاشیں، ہونٹوں پر پیار کی قوسِ قزاح، چپ کے سوئے پرندے، بہت منفرد سمعی پیکر ہیں۔

بولنا جب بھی انا کا بن کے پیکر بولنا
فیصلہ جو کچھ بھی ہو، آنکھیں ملا کر بولنا
وہاں پڑی ہیں صداؤں کی بے کفن لاشیں
جہاں سے گزرے ہیں لے کر سپاہ سنّاٹے[25]
تیرے ہونٹوں پہ کہاں قوسِ قزاح پیار کی ہے
اِن چٹانوں سے کوئی چشمہ ابلتا ہی نہیں[26]
چپ کے سوئے پرندے فضا میں اڑ گئے
کوئی پاگل ہنسا چاندنی رات میں[27]

مشامی تمثال کاری

الفاظ کی ایسی تصویر جو ہماری مشامی حِس کو متحرک کرے، مثلاً آرزو لکھنوی کا یہ شعر دیکھیں:

کھلنا کہیں چھپا بھی ہے، چاہت کے پھول کا
لی گھر میں سانس اور گلی تک مہک گئی

مشامی تمثال کاری کے حوالے سے نقوی احمد پوری کے شعری تجربات بہت اچھوتے اور منفرد ہیں جو قاری کو زمان و مکان سے بیگانہ کرنے ایک نئی دنیا سے روشناس کراتے ہیں۔

اجال دوں گا فضا کو مہکتے سورج سے
حصارِ کرب تو ٹوٹے، درِ طرب تو کھلے[28]
کسی کلی نے جو خوشبو مجھے چھپا کر دی
ہوا نے اُس کی بھی تشہیر جا بجا کر دی[29]
الہڑ خوشبو کے ہیں پھیرے کمرے میں
جھانک رہا ہے چاند بھی تیرے کمرے میں[30]

لمسی تمثال نگاری

ایسے لفظی پیکر جو انسان کی حسِ لامسہ کو متحرک کرتے ہوں لمسی تمثال نگاری کے ذیل میں آ سکتے ہیں۔ نقوی احمد پوری کا یہ شعر مرکب تمثال کاری (مشامی اور لمسی) کی خوبصورت مثال ہے۔ جھونکے کی طرح لمس کا احساس، لمس میں گریز کی لرزش، لبوں کے بند لفافے میں دم گھٹے الفاظ بیک وقت لمسی، بصری، صوتی حرکی اور سمعی پیکر تراشی کی مثالیں ہیں۔

اُس کی خوشبوئے بدن آئے تو میں چونک پڑوں
چھونا چاہوں تو مرے ہاتھ وہ آتا بھی نہیں[31]
جانے کیوں لمس کا احساس جگا دیتا ہے
کسی جھونکے کی طرح ہاتھ نہ آنے والا
لمس میں بھی گریز کی لرزش
خواب میں جیسے کوئی ڈرتا ہے[32]
لبوں کے بند لفافے میں دم گھٹے الفاظ
جو پڑھ سکو تو سراپا سوال ہے کوئی[33]

مذوقی تمثال کاری

اگر لفظی پیکروں کا تعلق حسِ ذائقہ سے ہو تو وہ مذوقی پیکر کہلاتے ہیں۔ کلاسیکی غالب کی شاعری میں بھی تمام حسیاتی تلازمات ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر حسِ ذائقہ کی خوبصورت مثال دیکھیں؛ حسِ ذائقہ کو کس خوبی سے مرحلہ وار زبان کے مذوقی خلیات Taste Buds سے شروع کرتے ہوئے رگ و پے میں اترنے کے بعد جسم کے دیگر خلیات پر زہر کے مہلک اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔ "پھر دیکھیے کیا ہو" کے اندر زہر کے لاتعداد مہلک امکانات کو نہایت بلاغت سے بیان کر دیا گیا۔ اِس دوسرا شعر بھی حسِ ذائقہ سے حقیقتِ حال تک پہنچنے کی کتھا سنا رہا ہے:

رگ وپے میں جب اترے ، زہرِ غم پھر دیکھیے کیا ہو
ابھی تو لذتِ کام و دہن کی آزمائش ہے
کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
بس چپ رہو، ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

مذوقی تمثال نگاری نقوی احمد پوری کے کلام سے ملاحظہ ہو جو بصری حرکی پیکر تراشی کی بھی نشاندہی کرتی ہے۔ دوسرے شعر میں "چپ کی تلخ شکن" کی ترکیب مذوقی پیکریت کے نئے در وا کرتی معلوم ہوتی ہے:

چوستا رہتا ہے دریاؤں کی نس نس سے لہو
پھر بھی خالی پیٹ رہتا ہے سمندر دوستوں
چپ کی تلخ شکن اُس کی پیشانی پر
وہ میرے پھیروں پر پھیرے کمرے میں[34]

تمثال کاری کے حوالے سے نقوی احمد پوری کے کلام سے لیا گیا یہ نہایت مختصر انتخاب ہے جسے یک مشتِ نمونہ از خروارے بھی نہیں کہا جاسکتا۔ اگر اِس نقطۂ نظر سے نقوی احمد پوری کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو ہر صفحے پر چشم کشا حیرتوں سے ہمارا واسطہ پڑتا ہے۔ نقوی احمد پوری کی اِس صنعت گری کا مکمل احاطہ کرنے کے اِس ایک مضمون کا دامن بہت تنگ پڑ جاتا ہے بقول غالب "سفینہ چاہیے اِس بحرِ بے کراں کے لیے"۔ سچ یہ ہے کہ اردو غزل اور اُس کی فنی مقتضیات کے حوالے سے نقوی احمد کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

میرے لفظوں کی شہ رگ کا خون گھسیٹو گلیوں میں
میں تو امر ہوں اے نقّادو، پھر زندہ ہو جاؤں گا[35]

حوالہ وحواشی

1۔ داؤد کشمیری، "اردو شاعری میں امیجری"، ممبئی، محمد طاہر مرچنٹ، سارنگ اسٹریٹ، 2008ء ص 4

2۔ نقوی احمد پوری، بولتا سورج، مرتبہ محمد ساجد درانی قادری، نستعلیق مطبوعات، الفیروز سینٹر غزالی سٹریٹ، اردو بازار لاہور ص 61

3۔ تنویر احمد علوی، ڈاکٹر، "جدید غزل: فکری وفنی سطح پر ایک نقطۂ انحراف"، مشمولہ "معاصر اردو غزل" مرتبہ قمر رئیس، پروفیسر، اردو اکادمی، دہلی، 1994ء ص 111

4۔ منظر اعظمی، "اردو میں تمثیل نگاری" نئی دہلی، انجمن ترقی اردو (ہند)، 1992ء ص 20

5۔ حامدی کاشمیری، "اردو شعری منظر نامہ" مضمون مشمولہ، امکانات (تنقیدی مقالات)، دہلی، جے کے آفسٹ پرنٹرز، 1987ء ص 61

6۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو شاعری کا مزاج، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۰۸ ص ۸۶

7۔ شبلی نعمانی، مولانا۔ شعر العجم، جلد چہارم، ص ۸

8۔ احمد ندیم قاسمی "غزل کا مزاج دان"، مضمون مشمولہ، "بولتا سورج"، نقوی احمد پوری، مرتبہ، محمد ساجد درانی قادری، نستعلیق مطبوعات، الفیروز سینٹر، غزالی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، 2022ء ص 11

9۔ ایضاً ص 11

10۔ قتیل شفائی، "دیباچہ" مشمولہ "بولتا سورج"، نقوی احمد پوری، مرتبہ، محمد ساجد درانی قادری، نستعلیق مطبوعات، الفیروز سینٹر، غزالی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، 2022ء ص 18

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

11۔عاصم شجاع ثقلین،ڈاکٹر، گو نجتی شہنائی کا قلمکار۔۔۔ نقویؔ احمد پوری، مضمون مشمولہ "بولتا سورج"، نقوی احمد پوری، مرتبہ، محمد ساجد درانی قادریؔ، نستعلیق مطبوعات، الفیروز سینٹر، غزالی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، 2022ء ص

12۔ نقوی احمد پوری، بولتا سورج، مرتبہ محمد ساجد درانی قادریؔ، نستعلیق مطبوعات، الفیروز سینٹر غزالی سٹریٹ، اردو بازار لاہور ص67

13۔ ایضاً ص34

14۔ ایضاً ص36-39

15۔ ایضاً، ص40

16۔ ایضاً، ص37

17۔ ایضاً، ص38

18۔ ایضاً ص41

19۔ ایضاً ص87

20۔ ایضاً ص57

21۔ ایضاً ص51

22۔ ایضاً، ص36

23۔ ایضاً ص43

24۔ ایضاً ص43

25۔ ایضاً ص51

26 ایضاً ص75

27۔ ایضاً ص77

28۔ ایضاً ص37

29۔ ایضاً ص68

30۔ ایضاً ص65

31۔ ایضاً98

32۔ ایضاً ص101

33۔ ایضاً ص66

34۔ ایضاً ص65

35۔ ایضاً ص112